گناہ سے نجات کیونکر مل سکتی ہے

﴿۹﴾

اس رسالہ میں ہمارا یہ ارادہ ہے کہ دنیا کو دکھائیں کہ جس قدر ہمارا یہ زمانہ اپنی جسمانی حالت کے رو سے ترقی کر گیا ہے اسی قدر اپنی روحانی حالت کے رو سے تنزل میں ہے یہاں تک کہ روحوں میں یہ برداشت ہی نہیں رہی کہ وہ پاک سچائیوں کو چھو بھی سکیں بلکہ انسانوں پر ایک غور کی نظر ڈالنے سے ثابت ہو رہا ہے کہ مخفی طور پر ایک بھاری کشش ان کو نیچے کی طرف کھینچ رہی ہے اور وہ دمبدم ایک گڑھے کی طرف حرکت کر رہے ہیں جس کو دوسرے لفظوں میں **اسفل السافلین** کہہ سکتے ہیں اور استعدادوں پر ایک ایسا انقلاب آ گیا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی خوبصورتی کی نہایت تعریف کر رہے ہیں جو روحانیت کی نظر سے سخت مکروہ اور بدشکل ہیں۔ ہر ایک کانشنس محسوس کر رہا ہے کہ ایک کشش اس کو نیچے کی طرف لے جا رہی ہے اور انہی کششوں کے برباد کن اثروں سے ایک عالم تباہ ہو گیا ہے۔ پاک سچائیوں کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھا جاتا ہے اور سچ مچ روبخدا ہو جانے کو ایک حماقت سمجھا جاتا ہے۔ تمام نفوس جو زمین پر ہیں یک لخت دنیا پر سرنگوں نظر آتے ہیں گویا ایک پنہانی قوت جاذبہ سے معذور اور مجبور ہو رہے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ دنیا کا تمام کاروبار کششوں پر ہی چلتا ہے۔ جس پہلو میں یقین کی قوت زیادہ ہے وہ اس دوسرے پہلو کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور چونکہ یہ فلاسفی نہایت ہی صحیح ہے کہ ایک کشش کو صرف وہ کشش روک سکتی ہے جو اس کی نسبت بہت زبردست اور طاقتور ہو اس لئے یہ دنیا جو اس سفلی کشش سے متاثر ہو کر نیچے کی طرف کھینچی جا رہی ہے اس کا اوپر کی طرف رخ کرنا بالکل جائے

ناامیدی ہے جب تک کہ ایک ایسی مخالف اور زبردست کشش آسمان سے پیدا نہ ہو جو مخالف پہلو کے یقین کو بڑھا دے یعنی جیسا کہ ایک یقینی نظر سے نفسانی بدعملیوں میں فوائد اور لذّات محسوس ہو رہے ہیں ان سے بڑھ کر رحمانی حکموں میں فوائد دکھائی دیں اور یقین کی نظر سے بدی کا ارتکاب مرنے کے برابر مشہود ہو جو دل کو پکڑ لے اور یہ یقین کی روشنی صرف آسمان سے اس آفتاب کے ذریعہ سے آتی ہے جو امام الوقت ہوتا ہے۔ اس لئے اس امام کا شناخت نہ کرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ میں اس آفتاب سے روشنی حاصل کرنا نہیں ﴿۱۰﴾ چاہتا وہ خدا کے مستمرہ قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ آفتاب کے بغیر آنکھیں دیکھ سکیں؟ گو کہ آنکھوں میں بھی ایک نور ہے مگر آفتاب کا محتاج۔ آفتاب حقیقی نور ہے جو آسمان سے آتا اور زمین کو روشن کرتا ہے اور آنکھیں بغیر اس کے اندھی ہیں۔ اور جس شخص کو اس آسمانی نور کے ذریعہ سے یقین پیدا ہوگا اس کو نیکی کی طرف ایک کشش پیدا ہوگی اور اس آسمانی کشش اور زمینی کشش میں لڑائی ہونا ایک طبعی امر ہے کیونکہ اس صورت میں ایک کشش نیکی کی طرف کھینچے گی اور ایک بدی کی طرف۔ اور ایک مشرق کی طرف دھکا دے گی اور ایک مغرب کی طرف۔ اور دونوں کا باہم ٹکرانا اس وقت سخت خطرناک ہوگا جب کہ دونوں میں انتہائی درجہ کی کششیں موجود ہوں گی جن کا دنیا کی انتہائی ترقیات پر موجود نہ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ پس جب تم دیکھو کہ زمین نے انتہائی درجہ پر ترقی کر لی ہے تو سمجھ لو کہ یہی دن آسمانی ترقی کے بھی ہیں اور یقین کر لو کہ آسمان پر بھی ایک روحانی تیاری ہے اور وہاں بھی ایک کشش پیدا ہوگئی ہے جو زمینی کشش سے لڑنا چاہتی ہے۔ پس ایسے دن سخت خوفناک ہیں جب کہ زمین غفلت اور برائی میں انتہائی درجہ پر ترقی کر جائے کیونکہ روحانی لڑائی کیلئے وہی وعدہ کے دن ہیں جن کو نبیوں نے طرح طرح کے استعارات میں بیان کیا ہے اور بعض نے اس مثال میں اس کو پیش کیا ہے کہ یہ آسمانی فرشتوں اور زمینی شیطانوں کی ایک آخری لڑائی

ہے جس پر اس دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ اور بعض نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس لڑائی کو ایک جسمانی لڑائی سمجھ لیا ہے جو تلوار اور بندوق سے ہوتی ہیں۔ مگر وہ لوگ غلطی پر ہیں اور اپنی سفلی عقل اور حماقت سے روحانی جنگ کو جسمانی جنگ کی طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔ غرض ان دنوں زمین کی تاریکی اور آسمان کے نور کا ایک انتہائی جنگ ہے۔ آدم سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام خدا کے مقدس نبی اس جنگ کی طرف اشارات کرتے آئے ہیں اور اس جنگ کے سپہ سالاروں کے دو مختلف نام رکھے گئے ہیں ایک سچائیوں کو چھپانے والا اور دوسرا سچائیوں کو ظاہر کرنے والا یا دوسرے لفظوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے نورانی فرشتوں کے ساتھ اترنے والا اور میکائیل کا مظہر اور ایک زمین سے تمام شیطانی تاریکیوں کو لے کر ظاہر ہونے والا اور ابلیس کا مظہر ہوگا۔ اب جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمینی لشکر خوب تیار ہے اور وہ خوب مسلح ہو کر کھڑے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں بلکہ بہت کچھ کر بھی چکے ہیں تو طبعاً یہ نیک خواہش پیدا ہوتی ہے اور فراست صحیحہ گواہی دیتی ہے کہ آسمانی گورنمنٹ بھی ان تیاریوں سے غافل نہیں ہے۔ اُس گورنمنٹ کی کچھ ایسی عادت ہے کہ وہ ظاہری شور وغوغا کو پسند نہیں کرتی اور وہ بہت کچھ کارروائیاں اندر ہی اندر ہی کر لیتی ہے اور لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی تب آسمان پر ایک نشان ظاہر ہوتا ہے اور زمین پر ایک منار روشن اور نہایت سپید اور وہ آسمانی روشنی منار پر گرتی ہے اور پھر وہ منار تمام دنیا کو روشن کرتا ہے۔ یہ مختصر فقرہ تشریح کا محتاج ہے اور تشریح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا روحانی سلسلہ اگرچہ جسمانی سلسلے کے بالکل مطابق ہے لیکن بعض امور میں اس میں وہ خواص عجیبہ پائے جاتے ہیں کہ جو جسمانی سلسلہ میں کھلے کھلے طور سے نظر آ نہیں سکتے چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب سفلی کشش اپنا کام کرنا شروع کرتی ہے تو گو وہ کشش آسمانی کشش سے بالکل مخالف ہے تاہم آسمانی کشش اس کشش کے طبعی تقاضا سے پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے ﴿۱۱﴾

پس یہ امر معقول ہے کہ ان کششوں کے انتہائی درجہ کے زوروں کے وقت جو دنیا کا آخری زمانہ ہے ان دونوں میں لڑائی ہونا چاہئے تھی کیونکہ اقبال کا تقاضا ہے کہ فریق مخالف کو فنا کرے۔ پس جس موقعہ اور محل میں فریقین برابر درجہ کا اقبال وشوکت رکھیں گے، ایسے دو فریق بغیر لڑائی کے نہیں رہ سکتے کیونکہ ہر ایک خدا کے نبیوں کی کتابوں میں پیشگوئی کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ ایسا ہی عقل بھی اس کو ضروری سمجھتی ہے۔ کیونکہ جب دو مخالف اور پُر زور کششوں میں باہم ٹکر لگے تو ضروری ہے کہ ایک دوسری کو فنا کر دیوے یا دونوں فنا ہو جاویں اور اس لڑائی کے بارہ میں نبیوں کی کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے پورا ہزار برس گزرا جس میں نبیوں کی پیشگوئی کے مطابق شیطان قید کیا گیا تھا تو سفلی کشش نے زمین پر اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ اسلام اپنے پاک اصولوں کے لحاظ سے تنزل کی حالت کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اس کی روحانی ترقیاں رک گئی تھیں اور اس کی ظاہری فتوحات کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور وہ شیطان کے قید ہونے کے دنوں میں پیدا ہوا۔ اور ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جیسا کہ تمام نبیوں نے یوحنّا فقیہ تک گواہی دی ہے۔ اور شیطان کے چھوٹنے پر یعنی ۱۰۰۰ عیسوی کے بعد اس کا تنزل شروع ہو گیا اور وہ آگے بڑھنے سے رک گیا تب سے شیطانی کارروائیاں رنگارنگ کے پیراؤں میں شروع ہوئیں اور زمین پر یہ پودا بڑھتا گیا۔ اور اس کی شاخیں کچھ تو مشرق کی طرف پھیل گئیں اور کچھ مغرب کی انتہائی آبادیوں تک جا نکلیں اور کچھ جنوب کی طرف اور کچھ شمال کی طرف متوجہ ہوئیں جیسا کہ شیطان کے قید رکھنے کا زمانہ ہزار برس تھا جس پر واقعات خارجیہ نے گواہی دی ہے ایسا ہی نبیوں کی پیشین گوئیوں کے رو سے شیطان ﴿۱۲﴾ کے چھوٹنے کا زمانہ بھی ہزار برس ہی تھا جو ہجرت کی چودھویں صدی کے سر پر پورا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ہزار برس خدائی حساب کے رو سے ہے یعنی چاند کے حساب سے اور خدا کی طرف

سے یہودیوں اور مسلمانوں کو پیشگوئیوں کے وقتوں کی شناخت کرنے کے لئے یہی حساب سکھایا گیا ہے اور سورج کے دنوں کے رو سے حساب کرنا انسانوں کی بدعت ہے جو پاک نوشتوں کے منشاء کے مخالف ہے۔ غرض اس حساب کے رو سے شیطان کی مہلت کے آخری دن یہی ہیں جن میں ہم ہیں بلکہ یوں سمجھو کہ گزر بھی چکے کیونکہ ہجری صدی جس کے سر پر ہزار برس شیطان کے چھوٹنے کا پورا ہو گیا۔ اس کو انیس برس گزر چکے اور شیطان نہیں چاہتا کہ اس سے آزادی اور حکومت چھین لی جاوے۔ ناچار دونوں کششوں کی لڑائی ہوگی جو ابتدا سے مقدر تھی اور ممکن نہیں ہے کہ خدا کا کلام غلط ہو۔ اور ان دنوں پر ایک دوسری شہادت یہ بھی ہے کہ دنیا کی ابتدا سے یعنی آدم کے ظہور سے آج تک چھٹا ہزار بھی گزر گیا جس میں آدم ثانی پیدا ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ چھٹا دن آدم کی پیدائش کا دن ہے اور خدا کی پاک کتابوں کے رو سے ایک ہزار برس ایسا ہے جیسا کہ ایک دن سو یہ امر خدا کے پاک وعدوں کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ آدم پیدا ہو گیا۔ گو وہ ابھی کامل طور پر شناخت نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس آدم کا مقام جو خدا کے ہاتھ سے تجویز کیا گیا وہ شرقی ہے نہ غربی کیونکہ توریت باب ۲۔ آیت ۸☆ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم کو ایک باغ میں شرقی طرف جگہ دی گئی تھی پس ضرور ہے کہ یہ آدم بھی مشرقی ملک میں ہی ظاہر ہوتا اول اور آخر کی مماثلت مکانی قائم رہے۔ اور اس اعتراف سے جیسا کہ مسلمانوں کو چارہ نہیں ویسا ہی عیسائیوں کو بھی کوئی گریز کی جگہ نہیں بشرطیکہ دہریت کی رگ مانع نہ ہو۔ پس اصل حقیقت کے سمجھنے کیلئے کچھ مشکلات باقی نہیں رہیں اور یہ مسئلہ نہایت صاف ہے کہ یہ زمانہ نور اور ظلمت کی لڑائی کا زمانہ ہے اور ظلمت نے انتہا تک اپنا کام کر لیا ہے اور یہ امیدیں نہیں کی جا سکتیں کہ بغیر نزول آسمانی نور کے اس ظلمت پر کوئی فتحیاب ہو سکے اور اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ظلمت اپنے پورے زوروں میں ہے اور راستبازی کا نیم مردہ چراغ فنا ہونے کے قریب ہے اور رسمی

☆ پیدائش باب ۲ آیت نمبر ۸ (ناشر)

عقیدے اور رسمی علم اور رسمی نمازیں اس روشنی کو بحال نہیں کرسکتیں جو گم ہوچکی ہے کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! کیا ظلمت، ظلمت کو دور کرسکتی ہے؟ کسی طرح ممکن نہیں۔ اب تو ایک جدید منار کی ضرورت ہے جو زمین پر تیار ہو جو سفلی آبادیوں سے امتیاز کے ساتھ اونچا ہوتا آسمانی روشنی اس پر نازل ہو اور سماوی چراغ اس پر رکھا جاوے اور ﴿۱۳﴾
پھر تمام دنیا اس روشنی سے منور ہو جاوے کیونکہ اگر چراغ اونچے مقام پر نہ رکھا جائے تو کیونکر اس کی روشنی دور دور تک پھیل سکے۔ اب آپ کو یہ سمجھنا باقی ہے کہ منار کیا چیز ہے پس یاد رہے کہ منار اس نفس مقدس اور مطہر اور بلند ہمت کا نام ہے جو انسان کامل کو ملتا ہے جو آسمانی نور پانے کا مستحق جیسا کہ منار کے معنے میں یہ مطلب داخل ہے اور منار کی بلندی سے مراد اس انسان کی بلند ہمتی ہے اور منار کی مضبوطی سے مراد اس انسان کی استقامت ہے جو طرح طرح کے امتحانوں کے وقت وہ دکھلاتا ہے اور اس کی سفیدی و بریّت ہے جو انجام کار ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ سب کچھ ہو لیتا ہے یعنی جب اس کی علو ہمت اور کمال استقامت اور کمال صبر اور استقلال اور دلائل کے ساتھ اس کی بریّت ایک چمکتے ہوئے منار کی طرح کھل جاتی ہے تب اس کی جلالی آمد کا وقت آ جاتا ہے اور پہلی آمد جو ابتلاؤں کے ساتھ ہے اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ تب وہ روحانیت خدائی جلال سے رنگین ہو کر اس وجود پر اترتی ہے جو منار کی صورت پر کھڑا ہے تب باذنہٖ تعالیٰ خدائی تاثیریں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ آمد ثانی میں ہوتا ہے۔ اور مسیح موعود کی خاص طور کی آمد اسی حقیقت کی کامل تصویر ہے اور مسلمانوں میں جو یہ روایتیں ہیں کہ مسیح موعود منار کے پاس اترے گا۔ اترنے سے مراد ایک جلالی طور کی آمد ہے جو خدائی رنگ اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے اس سے زمین پر موجود نہ تھا مگر ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے۔ جب تک کہ وہ وقت نہ آوے جو خدا نے مقرر کر دیا ہے۔ خدا کی عادت میں یہ بھی داخل ہے کہ روحانی امور کو ذہن نشین کرانے کیلئے

ان کے کسی حصہ کی جسمانی تصویر بھی پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ بیت المقدس کی ہیکل اور مکہ معظّمہ کا خانہ کعبہ یہ دونوں تصویریں روحانی تجلیات کی ہیں اسی بنا پر شریعت اسلامی میں یہ سمجھا گیا ہے کہ مسیح موعود منار پر یا منار کے قریب نازل ہوگا۔ ایک ایسے ملک میں جو دمشق کے شرقی طرف ہے جیسا کہ آدم کو بھی شرقی طرف ہی جگہ دی گئی تھی۔ اس جلالی آمد سے پہلے ظاہری منار کے بھی بنائے جانے میں کچھ حرج نہیں بلکہ حدیثوں میں بطور پیش گوئی اس کا ذکر پایا جاتا ہے کہ وہ مسیح موعود کی جلالی آمد کیلئے ایک نشان ہوگا جو اس آمد سے پہلے بنایا جائے گا۔ یہ مقدر ہے کہ مسیح موعود کا آنا دو رنگ میں ہوگا۔ اول معمولی طور پر جس میں طرح طرح کے ابتلا بھرے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کی تکلیفوں کا وقت ہے۔ جب یہ دن پورے ہو جائیں گے تب جلالی آمد کا وقت آجائے گا اور ضرور ہے کہ اس سے پہلے ایک منار تیار ہو جائے جیسا ﴿۱۴﴾
کہ حدیثوں سے پایا جاتا ہے کہ اس حقیقت کے دکھلانے کے لئے ایک ظاہری منار بھی ہوگا اور وہ باطنی منار کی تصویر ہوگا اور قبل اس کے جو وہ جلالی طور پر نازل ہو دنیا اس کو نہیں پہچانتی کیونکہ وہ دنیا میں سے نہیں ہے اور دنیا اس سے محبت نہیں کرتی کیونکہ جس خدا سے وہ آیا ہے اس سے بھی دنیا کو محبت نہیں۔ پس ضرور ہے کہ وہ آمد اول میں ستایا جائے اور دکھ دیا جائے اور طرح طرح کے الزام اس پر لگائے جائیں جیسا کہ اسلامی پیشگوئیوں میں لکھا ہے کہ ابتدا میں مسیح موعود کو قبول نہیں کیا جائے گا اور نادان لوگوں کے کینے اس کی نسبت بہت بڑھ جائیں گے اور شرارتیں انتہا تک پہنچ جائیں گی۔ یہاں تک کہ ایک شخص ظالمانہ حملہ اس پر کر کے خیال کرے گا کہ اس نے بڑی نیکی کا کام کیا ہے اور ایک اس کو دکھ دے کر یہ سمجھے گا کہ اس نے اپنے فعل سے خدا کو راضی کر دیا ہے۔ اسی طرح ہوتا رہے گا اور ہر ایک قسم کا زلزلہ اس پر آئے گا اور ہر ایک مصیبت کا اس کو سامنا ہوگا یہاں تک کہ عادت اللہ اس میں پوری ہو جاوے گی۔ تب اس کی جلالی آمد کا وقت آجائے گا اور مستعد دلوں کی

آنکھیں کھولی جائیں گی اور وہ خود بخود سوچنے لگیں گے کہ یہ کیا بات ہے اور یہ کس قسم کا کاذب ہے جو زیر نہیں ہوتا اور کیوں خدا کی تائیدیں اس کے شامل حال ہیں اور ہمارے شامل حال نہیں۔ تب خدا کا ایک فرشتہ ان کے دلوں پر اترے گا اور ان کو سمجھائے گا کہ کیا تمہاری حدیثوں اور روایتوں کی پیشگوئیاں ضروری الوقوع ہیں جو تمہاری روک کا باعث ہیں اور کیا ان میں سے بعض کی نسبت وضع اور غلطی ممکن اور محل نہیں اور کیا بعض پیشگوئیوں کا استعارات کے رنگ میں پورا ہونا جائز نہیں۔ اور کیا یہودیوں کی بدنصیبی اور بے ایمانی کا بجز اس کے کوئی اور بھی باعث تھا کہ وہ منتظر رہے کہ تمام باتیں ظاہری صورت میں ہی پوری ہوں اور ان کے خیالات کے مطابق سب کچھ ہو مگر نہ ہوا۔ تو پھر جب کہ وہی خدا اب بھی ہے اور وہی اس کی عادت، تو کیوں جائز نہیں کہ وہی ابتلا تمہیں بھی پیش آیا ہو۔ غرض آخر کار انہی خیالات کی طرف طبعاً انسانوں کے دلوں کا رجوع ہو جائے گا جیسا کہ قدیم سے ہوتا آیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ حقیقی دین اور راستبازی کے پھیلانے کے لئے یہ جسمانی لڑائیوں کا زمانہ ہے کیونکہ تلوار سچائی کے جوہروں کو ظاہر نہیں کر سکتی بلکہ ان کو اور بھی چھپاتی اور مشتبہ کرتی ہے جو لوگ ایسے خیالات کے خواہشمند ہیں وہ اسلام کے دوست نہیں ہیں بلکہ دشمن ہیں اور ان کی فطرت نہایت پست اور سفلی رنگ میں اور ان کی ہمتیں گری ہوئی اور دل منقبض اور دماغ اَبلہ اور طبیعتیں تاریک ہیں کیونکہ وہ مخالفوں کو ایک ایسے اعتراض کا موقعہ دیتے ہیں جو درحقیقت وارد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بقول ان کے اسلام اپنی ترقی کے واسطے جہاد کا محتاج ہے اور یہ اسلام ﴿۱۵﴾ کی ہجو ہے کیونکہ جس مذہب میں یہ قوت ہے کہ وہ اپنی سچائی کو عقلی دلائل سے یا کسی اور قسم کے قابل تمسک شہادتوں سے یا آسمانی نشانوں سے باآسانی ثابت کر سکتا ہے۔ ایسے مذہب کے لئے کچھ ضرورت نہیں کہ جبر سے اور تلوار کی دھمکی سے اپنی سچائی کا اقرار کراوے لیکن اگر کسی مذہب میں یہ ذاتی خاصیت موجود نہیں اور اپنی کمزوری کا تلوار سے تدارک کرتا ہے تو ایسے مذہب کے

جھوٹا ہونے کے لئے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں اس کے کاٹنے کے لئے اسی کی تلوار کافی ہے۔
مگر یہ اعتراض کہ اگر جہاد اب جائز نہیں تو اسلام میں اول زمانہ میں کیوں تلوار سے کام لیا گیا۔ یہ معترضین کی اپنی غلطی ہے جو بباعث ناواقفیت پیدا ہوئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اسلام دین کے پھیلانے کے لئے ہرگز جبر کی اجازت نہیں دیتا۔ دیکھو کیسی ممانعت قرآن میں موجود ہے کہ فرماتا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] یعنی دین میں جبر نہیں کرنا چاہئے۔ پھر کیوں تلوار اٹھائی گئی۔ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کے وحشی جن میں کوئی تمیز اور تہذیب باقی نہیں رہی تھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے تھے اور جب ان پر توحید اور اسلامی سچائیوں کی کھلے کھلے دلائل سے حجت پوری کی گئی اور ان کے ذہن نشین کیا گیا کہ انسان ہوکر پتھروں کی پوجا کرنا ایک صریح غلطی ہے کہ انسانیت کے بھی برخلاف ہے تو وہ ان معقول باتوں کا کچھ بھی جواب نہ دے سکے اور ان کے لاجواب ہو جانے سے سمجھدار لوگوں کو اسلام کی طرف حرکت پیدا ہوگئی اور بھائی سے بھائی اور باپ سے بیٹا جدا ہو گیا تب انہیں اپنے باطل مذہب کے بچانے کے لئے کوئی تدبیر بجز اس کے خیال میں نہ آئی کہ سخت سخت سزاؤں کے ساتھ لوگوں کو مسلمان ہونے سے روک دیں۔ چنانچہ مکہ معظّمہ میں ابوجہل وغیرہ مکہ کے رئیسوں کی طرف سے یہی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ کی تاریخ پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ایسی بے رحمی کی وارداتیں مخالفوں کی طرف سے مکہ میں کس قدر ظہور میں آئیں اور کس قدر بے گناہ ظلم سے مارے گئے مگر لوگ پھر بھی مسلمان ہونے سے باز نہیں آتے تھے کیونکہ ہر ایک موٹی عقل کا انسان بھی جانتا تھا کہ بت پرستوں کے مقابل پر کس قدر اسلام معقولیت اور صفائی رکھتا ہے ناچار جب اس تدبیر سے بھی پوری ﴿۱۶﴾
کامیابی نہ ہوئی تو یہ ٹھہری کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی قتل کیا جاوے لیکن خدا تعالیٰ آپ کو بچا کر مدینہ میں لے گیا مگر پھر بھی انہوں نے قتل کے لئے تعاقب کیا اور کسی صورت میں اپنی

[1] البقرة : ۲۵۷

عادت کو چھوڑنا نہ چاہا۔ پس اس صورت میں اسلام کے لئے بجز اس کارروائی کے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان حملوں کی مدافعت کرتا اور بیجا حملہ کرنے والوں کو سزا دیتا۔ سو اسلام کی لڑائیاں دین پھیلانے کیلئے نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے تھیں۔ کیا کوئی عقل سلیم قبول کرسکتی ہے کہ اسلام وحشی بت پرستوں کے آگے بھی اپنی توحید کی معقولیت ثابت کرنے سے عاجز تھا اور کیا کوئی عقلمند باور کرسکتا ہے کہ وہ مشرک لوگ جو پتھروں اور جمادات کی پوجا کرتے اور طرح طرح کی ناپاکیوں میں مبتلا تھے اسلام ان کے آگے بھی حجت کے رو سے مغلوب تھا اور تلوار سے کام چلانا چاہتا تھا۔ **معاذاللہ** ہرگز یہ خیالات صحیح نہیں ہیں اور جنہوں نے ایسے اعتراض اسلام پر کئے ہیں انہوں نے سراسر ظلم کی راہ سے حقیقت کو چھپایا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے اس ظلم سے جیسا کہ مولویوں نے حصہ لیا۔ پادریوں نے بھی ان سے کم حصہ نہیں لیا اور اسلام پر اس قسم کے اعتراض کرکے نادان مولویوں کی باتوں کو عوام کے ذہن میں خوب جمادیا اور ان کو یہ دھوکا لگا کہ جس حالت میں ہمارے مولوی جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں اور پادری جو بڑے صاحب علم ہیں وہ بھی یہی اعتراض پیش کرتے ہیں سو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت ہمارے مذہب میں جہاد روا ہے۔ اب یہ کس قدر ظلم ہوا کہ دو مختلف شہادتوں سے اسلام پر یہ اعتراض جمایا گیا۔ اگر پادری ایسا طریق اختیار نہ کرتے اور ایمانداری سے سچ کی پیروی کرکے یہ کہتے کہ یہ مولوی نادانی اور جہالت کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اسلام کی ابتدا میں جس صورت نے یہ ضرورت پیدا کی تھی اب وہ صورت اس زمانہ میں موجود نہیں ہے تو امید تھی کہ جہاد کا خیال ہی دنیا سے اٹھ جاتا مگر جوش زیادہ اور سمجھ کم تھی اس لئے حقیقت کو نہیں سمجھا۔

ہاں یہ سچ ہے کہ عرب کے لوگ جب بہت سی مفسدانہ حرکات کے بعد اپنی ناحق کی خون ریزیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نظر میں واجب القتل ٹھہر گئے تھے تب یہ حکم بھی نکلا تھا

کہ وہ سب قتل کے لائق ہیں۔ مگر پھر بھی اگر ایمان لے آویں تو سزائے قتل سے معافی دی جاوے گی۔ غالباً کم فہم مخالفوں نے اسی حکم سے دھوکا کھایا ہے انہیں معلوم نہیں کہ یہ صورت جبر کی نہیں بلکہ واجب القتل کے لئے ایک رعایت ہے اِس کو جبر سمجھ لینا اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں۔ وہ لوگ تو قاتل ہونے کی وجہ سے مستوجب قتل تھے نہ کافر ہونے کی وجہ سے ﴿۱۷﴾ اور خدائے رحیم یہ بھی خوب جانتا تھا کہ انہوں نے اسلام کی سچائی کو خوب سمجھ لیا ہے لہٰذا اس کی رحمت نے تقاضا فرمایا کہ ایسے واجب القتل مجرموں کو پھر بھی گناہ معاف کرانے کا ایک موقع دیا جاوے سو اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اسلام کا ہرگز منشاء نہ تھا کہ کسی کو قتل کرے بلکہ جو لوگ اپنی خونریزیوں کی وجہ سے قتل کے لائق تھے ان کے لئے بھی معافی کی ایک راہ نکال دی۔ اس زمانہ میں اسلام کو یہ مشکلات جا بجا پیش آئیں کہ ہر ایک قوم میں اس قدر تعصب بڑھا ہوا تھا کہ کوئی بیچارہ کسی قوم میں سے اگر مسلمان ہو جاتا تو یا تو وہ قتل کیا جاتا تھا اور یا اس کی جان سخت خطرہ میں پڑ جاتی تھی اور زندگی اس پر وبال ہو جاتی تھی۔ تو اس صورت میں اسلام کو امن قائم کرنے کیلئے بھی لڑائیاں کرنی پڑیں اور بجز ان دو صورتوں کے اس ابتلا کے زمانہ میں کبھی اسلام نے جنگ کا نام نہ لیا اور اسلام کا ہرگز مقصود نہ تھا کہ مذہب کیلئے وہ جنگ کرے لیکن اس کو جنگ کرنے پر خواہ نخواہ مجبور کیا گیا۔ پس جو کچھ اس سے ظہور میں آیا وہ حفاظت خود اختیاری اور ضرورت مدافعت کیلئے ظہور میں آیا پھر بعد اس کے ناسمجھ مولویوں نے اس مسئلہ پر اور رنگ چڑھا دیا اور ایک قابل شرم درندگی کو اپنا فخر سمجھا لیکن یہ اسلام کا قصور نہیں ہے یہ خود ان لوگوں کی عقلوں کا قصور ہے جو انسانی خون کو چارپایوں کے خون سے بھی کم قدر سمجھتے ہیں اور ابھی تک خونوں سے سیر نہیں ہوئے بلکہ اسی غرض کیلئے ایک مہدی خونی کے منتظر ہیں۔ گویا تمام قوموں کو یہ ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ اسلام اپنی اشاعت کے لئے ہمیشہ جبر اور زبردستی کا محتاج رہا ہے۔ اور اس میں کوئی خفیف اور سُبک سچائی بھی نہیں۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حال کے بعض مولوی اس انحطاط پر ابھی راضی نہیں ہیں جو اسلام کو پیش آرہا ہے اور وہ ایسے عقیدوں پر زور دے کر کسی اور اسفل مقام تک اسلام کو لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن یقیناً سمجھو کہ خدا کو منظور نہیں ہے کہ اسلام ایسی ملامتوں اور تہمتوں کا نشانہ بنے۔ نادان مخالفوں کیلئے یہ ابتلا بس ہے کہ وہ اب تک اپنے اس خیال پر جمے ہوئے ہیں کہ گویا ابتدائی زمانہ میں اور بعد میں بھی اسلام اپنی جماعت بڑھانے کے لئے تلوار سے کام لیتا رہا ہے۔ اب یہ زمانہ اور یہ وقت وہ ہے کہ اس غلطی کو دلوں کے اندر سے نکال دیا جائے نہ یہ کہ اور بھی پختہ کیا جائے۔ اگر اسلام کے مولوی اتفاق کر کے اس بات پر زور دیں کہ وہ وحشی مسلمانوں کے دلوں سے اس غلطی کو نکال دیں تو وہ بلاشبہ قوم پر ایک بڑا احسان کریں گے اور ﴿۱۸﴾ نہ صرف یہی بلکہ ان کے ذریعہ سے اسلام کی خوبیوں کی ایک بھاری جڑ لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی اور وہ سب کراہتیں جو اپنی غلطیوں سے مذہبی مخالف اسلام کی نسبت رکھتے ہیں وہ جاتی رہیں گی تب ان کی نظریں صاف ہو کر جلد تر اس چشمہ نور سے فیض اٹھائیں گی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک خونی انسان کے نزدیک کوئی نہیں آسکتا ہر ایک شخص اس سے ڈرتا ہے خاص کر بچے اور عورتیں اس کو دیکھ کر کانپتی ہیں اور وہ ایک مجنون کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اور ایک غیر مذاہب کا مخالف اس کے پاس رات رہنے سے بھی اندیشہ کرتا ہے کہ مبادا غازی بننے کے لئے رات اٹھ کر اس کو قتل نہ کر دے کیونکہ انہیں ثوابوں کے خیال سے بعض سرحدی اب تک ناحق کے خون کر کے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ آج ہم نے اپنے ایک ہی عمل سے بہشت حاصل کر لیا ہے اور اس کی تمام نعمتوں کے مستحق ہو گئے۔ سو کس قدر جائے شرم ہے کہ غیر قوموں کو مسلمانوں کی ہمسائیگی سے امان اٹھ گیا ہے اور وہ اپنے دلوں میں کبھی تسلی نہیں پکڑ سکتے کہ اگر موقع پاویں تو یہ قوم ہم سے کچھ نیکی کر سکے گی۔ ایسے نمونے بارہا پیش آتے ہیں کہ ایک غیر قوم کے انسان کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ درحقیقت مسلمانوں کے اس چھپے ہوئے عقیدہ

سے ہراساں اور لرزاں نظر آتا ہے۔

میں ایک ایسا نظارہ دیکھ چکا ہوں اور وہ یہ کہ شاید ۲۰؍نومبر ۱۹۰۱ء کا یہ واقعہ ہے جو ہمارے اس جگہ قادیان میں ایک انگریز آیا اور اس وقت ہماری جماعت کے لوگ بہت جمع تھے اور کوئی مذہبی گفتگو شروع تھی کہ وہ آ کر ایک کنارہ پر کھڑا ہو گیا۔ تب اس کو بہت خلق سے بلایا گیا اور اپنے پاس بٹھایا گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک سیّاح انگریز ہے جو عرب کا ملک بھی دیکھ آیا ہے اور ہماری جماعت کی تصویریں لینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے کام میں اس کو مدد دی گئی اور اس کو خاطر داری اور دلجوئی کے طور پر کہا گیا کہ وہ چند روز ہمارے پاس رہے مگر معلوم ہوا کہ وہ ڈرتا تھا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے بہت مسلمان دیکھے ہیں کہ عیسائیوں کو بے رحمی سے قتل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسے چند قصے بغداد کے بھی سنائے جس میں ایسی وارداتیں بڑی بے رحمی سے ہوئی تھیں۔ تب اس کو بڑی نرمی اور خلق سے سمجھایا گیا کہ یہ جماعت جو احمدی فرقہ کہلاتا ہے ایسے عقائد سے سخت بیزار اور ایسے لوگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور انسانی حقوق کی نسبت جو کچھ اس فرقہ نے کام کرنا ہے وہ یہی ہے کہ اسلام میں سے ایسے خیالات کا استیصال کر دیوے۔ تب اس کا دل مطمئن ہوا اور وہ خوشی سے ہمارے پاس ایک رات رہا۔ ﴿۱۹﴾

اس قصہ کے بیان سے غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایسے عقیدے جو سراسر خلاف واقعہ ہیں غیر قوموں کو بہت مضر ہوئے ہیں اور ان کے دلوں میں بدظنی اور نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ اور مسلمانوں کی سچی ہمدردی کی نسبت ان کے نیک ظن بہت ہی کم ہو گئے ہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو ایسے لوگوں کی نسبت جو مولویانہ زندگی نہیں رکھتے اور اسلامی اصولوں کی پابندی کی چنداں پروا نہیں کرتے پس جبکہ مسلمانوں کی نسبت اس قدر بدظنی بڑھ گئی ہے جس کے بڑھانے کے وہ خود ہی موجب ہیں تو کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ بھی ہوگا کہ ایک

دنیا کو ایسے علماء اور ان کے معتقدوں نے اسلامی فیوض سے محروم کر دیا ہے۔ کیا ایسا مذہب خدا کی طرف سے ہوسکتا ہے جو دلوں کے اندر اپنی تعلیم کو بغیر اس کے نہیں اتار سکتا جب تک تلوار کی چمک نہ دکھلاوے۔ مذہب سچا تو وہ ہے جو اپنی ذاتی خاصیت اور طاقت سے دلائل قاطعہ سے خود تلوار کا کام دے نہ یہ کہ لوہے کی تلوار کا محتاج ہو۔

یہی خرابیاں ہیں جو ہر وقت تقاضا کر رہی ہیں جو کوئی مصلح پیدا ہو۔ جب ہم اسلام کی اندرونی حالت پر غور کریں تو ایسی خوفناک حالت ہے جو گویا سورج کو گرہن لگا ہوا ہے اور اس کا بہت سا حصہ تاریک ہو چکا ہے اور کچھ تھوڑا سا باقی ہے۔ مسلمانوں کی عملی حالتیں قابل رحم ہیں۔ بعض حدیثیں ایسی بنائی گئی ہیں جو ان کی اخلاقی حالت پر بہت ہی برا اثر ڈالتی ہیں اور خدا کے مقرر کردہ قوانین کی دشمن ہیں۔ مثلاً خدا کے قانون نے انسانوں کی نوع کے لئے تین قسم کے حقوق قائم کئے تھے۔ یہ کہ بے گناہ کسی کو قتل نہ کریں۔ اور یہ کہ بے خطا کسی کی عزت میں خلل انداز نہ ہوں اور یہ کہ بغیر کسی حق کے کسی کا مال نہ لیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ بعض مسلمانوں نے ان تینوں حکموں کو توڑ دیا ہے۔ وہ ایک بے گناہ کا خون کر دیتے ہیں اور نہیں ڈرتے۔ ان کے احمق مولویوں نے ایسے فتوے بھی دے رکھے ہیں کہ غیر قوموں کی عورتوں کو جن کو وہ کافر اور بے دین کہتے ہیں کسی حیلہ سے بہکا لے جانا جائز ہے یا پکڑ لینا اور پھر اپنی عورت بنانا۔ اور ایسا ہی کافروں کا مال خیانت اور چوری کی راہ سے لینا روا ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ جس مذہب میں اس قدر خرابی پیدا ہو جائے کہ اس میں ایسے ایسے بھی مولوی فتویٰ دینے والے موجود ہیں وہ مذہب کس قدر خطرناک حالت میں ہے۔ نفس پرست لوگوں نے یہ سب فتوے اپنی طرف سے بنا لئے ہیں اور خدا اور رسول پر افترا کیا ہے یہ تمام گناہ جو نادان وحشی کر رہے ہیں سب ان کی گردن پر ہے۔ وہ بھیڑیئے ہیں مگر بھیڑوں کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں اور دھوکا دیتے ہیں۔ وہ زہر ہیں مگر اپنے تئیں ﴿۲۰﴾

خوبصورت تریاق دکھاتے ہیں وہ اسلام کے لئے اور خدا کی مخلوق کیلئے سخت بدخواہ ہیں اور ان کے دل رحم اور ہمدردی سے خالی ہیں مگر اپنے تئیں چھپاتے ہیں۔ وہ مکاری سے وعظ کرتے اور اپنی نفسانی اغراض مدنظر رکھتے ہیں۔ وہ زاہدانہ لباسوں میں مسجدوں میں آتے مگر فاسقانہ عادتیں ان کی چھپی ہوئی ہیں۔ یہ ایک ملک کی حالت نہیں ہے اور نہ کسی خاص شہر کی نہ کسی خاص فرقہ کی بلکہ تمام اسلامی دنیا میں ایک گروہ ایسا ہے جو علماء کہلاتے اور مولویانہ جُبّے پہنتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہے اپنی صورتیں متدین لوگوں کی طرح بناتے ہیں تا ان کو بہت بزرگ اور مقدس سمجھا جائے مگر ان کے اعمال گواہی دیتے ہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس سیرت کے انسان ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ دنیا میں سچی پاکیزگی اور سچی ہمدردی پھیلے کیونکہ اس میں وہ اپنا نقصان کرتے ہیں۔

غرض آج کل اسلام بڑی مشکلات میں پھنس گیا ہے۔ اکثر روحیں مرگئی ہیں ان میں نیکی کی طرف ذرہ حرکت نہیں۔ اعتدال کو ان لوگوں نے یک لخت چھوڑ دیا ہے۔ ان میں ایک وہ گروہ ہے جو قبروں کی پوجا کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرح ان کا طواف بجالاتے ہیں۔ اور اپنے پیروں کی روحوں کو ایسا قادر اور متصرف جانتے کہ گویا سب کچھ ان کو خدا کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے۔ اکثر گدیاں ایسی ہی پاؤ گے جن کے ساتھ قبر بھی ہے جن کی وہ اپنے مریدوں سے پوجا کراتے ہیں اور اگر کوئی ان سے کرامت کا طالب ہوتا ہے تو صاحب قبر کی ہزاروں کرامتیں سنا دیتے ہیں اور ثبوت ایک کا بھی نہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کا مغز قبر پرستی ہے اور تمام دوسرے مسلمانوں کو وہ گمراہ جانتے ہیں۔ یہ تو وہ فریق ہے جس نے افراط کی راہ لی ہے۔ ان کے مقابل پر ایک تفریط کا گروہ بھی موجود ہے اور وہ انکار کرنے میں حد سے گزر گئے ہیں یہاں تک کہ ولایت تو ولایت ان کے نزدیک نبوت بھی کچھ چیز نہیں۔ معجزات سے وہ قطعاً منکر ہیں اور ان پر ہنسی اور ٹھٹھا اُڑاتے ہیں اور وحی کی یہ تعبیر کرتے ہیں

کہ وہ صاحب کتاب کے اپنے دل کے ہی خیالات ہوتے ہیں اور اس کو ایسے خیالات کی تراش خراش میں ایک ملکہ ہوتا ہے۔ اور ایسی پیشگوئی جو عقلی فراست کی حد سے دور ہو اور خالص غیب کی خبر ہو غیر ممکن ہے۔ غرض ان کے نزدیک نہ خدا کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے اور نہ معجزہ کچھ چیز ہے اور نہ پیشگوئی کچھ حقیقت رکھتی ہے اور مردوں کی قبریں صرف خاک کا ڈھیر ہے جن کے ساتھ روح کا کوئی علاقہ نہیں۔ اور مردوں کا جی اٹھنا کم عقلی کے زمانہ کی کہانیاں ہیں اور آخرت کا فکر دیوانگی ہے اور تمام عقلمندی اسی میں ہے کہ دنیا کمانے کی لیاقتیں حاصل کریں۔ اور جو لوگ دن رات دنیا میں اور دنیا کی کارستانیوں میں مشغول ہیں ان کی پیروی کریں اور ایسے ہی بن جائیں۔ ﴿۲۱﴾

یہ افراط تفریط تو مسئلہ نبوت اور معاد کے متعلق ہے مگر بجز اس کے بات بات میں مسلمانوں کے امور معاشرت میں افراط تفریط پائی جاتی ہے۔ نہ کلام میں اعتدال پایا جاتا ہے۔ نہ کام میں۔ نہ اخلاق میں نہ نکاح میں نہ طلاق میں نہ امساک میں نہ انفاق میں۔ نہ غضب میں نہ رحم میں۔ نہ انتقام میں نہ عفو میں۔ غرض اس قوم میں عجیب قسم کا طوفان بے تمیزی برپا ہے جہالت کا کچھ انتہا نہیں ضلالت کی کچھ حد و پایاں نہیں۔ پھر جبکہ وہ قوم جو توحید اور میانہ روی کا عمامہ پہن کر دنیا میں ظاہر ہوئی تھی اس کی بے اعتدالیوں کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے تو دوسری قوموں پر کیا افسوس اور کیا ذکر۔

عیسائی قوم کا مرکز ایسی زمین ہے جس میں زیرکی اور قویٰ دماغی کی لطافت بہت کچھ امیدیں دلاتی تھی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دین اور توحید کے معاملہ میں انہوں نے بھی طبعی اور فلسفہ پڑھ کر ڈبو دیا ہے۔ ایک طرف جب ہم نظر کرتے ہیں کہ وہ امور دنیا کی تدبیر اور ترتیب اور آئے دن جدید صنعتوں کے نکالنے میں کس انتہائی نقطہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اور پھر جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ وہ خدا شناسی کے مسئلہ میں کیسے گر گئے ہیں اور

کیسے ایک عاجز انسان کو رب العالمین سمجھ بیٹھے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ ذہن رسا اور خدا شناسی میں یہ عقل و ذکا۔ اور جب ہم غور کریں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں افراط تفریط کے رو سے مابہ الامتیاز کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بہت ہیں جو بنی نوع کے حقوق تلف کرتے ہیں اور عیسائیوں میں ایسے لوگ ہیں جو خدا کے حقوق کو تلف کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کو جہاد کے مسئلہ کی غلطی نے ایسا سخت دل کر دیا ہے کہ نوع انسان کی سچی محبت ان کے دلوں میں نہیں رہی۔ لہٰذا ان میں سے وحشی لوگ کیسی ادنیٰ غرض نفسانی یا جوش شیطانی کی وجہ سے بے گناہ انسان کا خون کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور بے آبرو کرنے اور مال چھیننے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور بنی نوع کے حقوق کا ایک ضروری حصہ تلف کر کے انسانیت کو داغ لگا دیا ہے۔ پھر جب ہم عیسائیوں کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھیں تو بکمال صفائی کھل جاتا ہے کہ انہوں نے خدا کے حقوق تلف کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور ایک عاجز انسان کو بے وجہ خدا بنا رکھا ہے۔ اور جس غرض کے لئے خدا بنایا گیا تھا وہ غرض حاصل بھی نہیں ہوئی۔ اگر گناہ سے پاک ہونے کے لئے یہی نسخہ تھا کہ یسوع مسیح کے خون سے ایمان لایا جائے تو کیوں یہ نسخہ یورپ کے لوگوں کو دنیا پرستی اور طرح طرح کے ناجائز شہوات کے گناہ سے جن کا ذکر کرنا بھی جائے شرم ہے پاک نہیں کرسکا بلکہ بجائے اس کے فوق العادت ترقی ہوئی۔ کیا یورپ کے ملک بدکاریوں میں ایشیائی ملکوں سے کچھ کم ہیں؟ تو پھر اس غیر مؤثر نسخہ پر کیوں نظر ثانی نہیں کی گئی۔ دنیا کی چند روزہ صحت کے لئے ہر ایک ڈاکٹر اور بیمار اس قاعدہ کا پابند رہتا ہے کہ جب ایک نسخہ سے ہفتہ عشرہ تک کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ نسخہ بدلنا پڑتا ہے اور کوئی اور احسن تجویز سوچی جاتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود غلط ثابت ہونے کے اب تک یہ نسخہ بدلایا نہیں گیا۔ کیا باوجود انیس سو برس لاحاصل گزر جانے کے اب تک یہ خیال قابل وقعت ہے کہ خون مسیح پر ایمان لانا حقیقی نجات کو

عطا کرتا ہے۔ یا یہ امید کر سکتے ہیں کہ اگرچہ موجودہ زمانہ تک کوئی امتیاز فیصلہ کرنے والے ظاہر نہیں ہوئے لیکن آئندہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بدکاریوں اور بدمستیوں سے پرہیز کرنے والے عیسائی ہوں گے۔ جو شخص یورپ کے ملکوں میں سے کسی ملک میں رہتا ہے وہ اگر چاہے گواہی دے سکتا ہے کہ یہ بیان درست ہے بلکہ ہر ایک دانشمند جس نے کبھی یورپ کی سیر کی ہے اور کچھ عرصہ پیرس وغیرہ میں رہ چکا ہے اس کو اس گواہی میں تأمل نہیں ہوگا کہ اب بعض حصے یورپ کے اس حالت تک پہنچ گئے ہیں کہ قریب ہے کہ بہتوں کی نظر میں بدکاری کچھ گناہ ہی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک ایک بیوی سے زیادہ نکاح حرام ہے مگر بدنظری حرام نہیں۔ درحقیقت فرانس وغیرہ میں لاکھوں عورتیں ایسی پائی جائیں گی جن کو خاوند کی ضرورت نہیں۔ پس اب یا تو کہنا پڑے گا کہ ان کیلئے کوئی نئی آیت انجیل میں سے نکل آئی ہے جس سے یہ سب کارروائیاں حلال ہوگئی ہیں یا ضرور یہ کہنا پڑے گا کہ خون مسیح کے نسخہ نے الٹا اثر کیا ہے اور دعویٰ غلط نکلا۔ لیکن سچ یہی ہے کہ یہ نسخہ صحیح نہ تھا اور ﴿۲۳﴾ ایک شخص کے مرنے کو دوسرے شخص کے نجات پانے سے کوئی طبعی تعلق نہیں اور خدا کا زندہ ہونا تمام برکات کا مدار ہے نہ کہ مرنا اور سورج کے طلوع کرنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے نہ کہ ڈوبنے سے۔ اور جبکہ اس نسخہ سے گناہوں سے پاک ہونے کا مقصود حاصل نہ ہوسکا تو وہ اصول بھی صحیح نہ رہا کہ یہ خدا کا بیٹا تھا جس نے اس نیت سے اپنے تئیں ہلاک کیا۔ ہم خدا کی نسبت ایسی موت تجویز نہیں کر سکتے کہ جان بھی گئی اور کام بھی نہ ہوا۔ اول تو یہ بات ہی خدا کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے کہ خدا بھی موت اور فنا اور ہر ایک نقصان اور ذلت کو اپنے پر قبول کر کے ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ اس دعوے کو نہ تو کسی نظیر سے ثابت کیا گیا ہے تا یہ بات سمجھ میں آجائے کہ دو چار دفعہ پہلے بھی خدا نے ایسے طور سے جنم لیا تھا۔ اور دل قرار پکڑ جائے اور نہ اس دعویٰ کو خدائی کرشموں کے ساتھ جو انسانی معجزات کی

حد سے باہر ہوں بپایۂ ثبوت پہنچایا گیا ہے اور پھر باایں ہمہ اس عقیدہ کی اصل غرض جس کے لئے یہ عقیدہ تراشا گیا تھا بالکل مفقود ہے۔ دنیا میں نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے بڑے بڑے دو گناہ ہیں ایک شراب نوشی اور ایک بدکاری۔ اب کہو کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ان دو گناہوں میں یورپ کے اکثر مردوں اور عورتوں نے پورا حصہ لیا ہے بلکہ میں اس بات میں مبالغہ نہیں دیکھتا کہ شراب نوشی میں ایشیا کے تمام ملکوں کی نسبت یورپ بڑھا ہوا ہے اور یورپ کے اکثر شہروں میں شراب فروشی کی اس قدر دوکانیں ملیں گی کہ ہمارے قصبوں کی ہر قسم کی دوکانیں ملا کر بھی ان سے کمتر ہوں گی اور تجربہ شہادت دے رہا ہے کہ تمام گناہوں کی جڑھ شراب ہے کیونکہ وہ چند منٹ میں ہی بدمست بنا کر خون کرنے تک دلیر کر دیتی ہے اور دوسری قسم کا فسق و فجور اس کے ضروری لوازم ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں اور اس پر زور دیتا ہوں کہ شراب اور تقویٰ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔ اور جو شخص اس کے بدنتیجوں سے آگاہ نہیں وہ عقلمند ہی نہیں اور اس میں ایک اور بڑی مصیبت ہے کہ اس کی عادت کو ترک کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔

اب اگر یہ سوال پیش ہے کہ اگر خون مسیح گناہوں سے پاک نہیں کر سکتا جیسا کہ وہ واقعی طور پر پاک نہیں کر سکا تو پھر گناہوں سے پاک ہونے کا کوئی علاج بھی ہے یا نہیں کیونکہ گندی زندگی درحقیقت مرنے سے بدتر ہے۔ تو میں اس سوال کے جواب میں نہ صرف پُرزور دعویٰ سے بلکہ اپنے ذاتی تجربہ سے اور اپنی حقیقت اس آزمائشوں سے دیتا ہوں کہ درحقیقت گناہوں سے پاک ہونے کیلئے اس وقت سے جو انسان پیدا ہوا آج تک جو آخری ﴿۲۴﴾
دن ہیں صرف ایک ہی ذریعہ گناہ اور نافرمانی سے بچنے کا ثابت ہوا ہے اور وہ یہ کہ انسان یقینی دلائل اور چمکتے ہوئے نشانوں کے ذریعہ سے اس معرفت تک پہنچ جائے کہ جو درحقیقت خدا کو دکھا دیتی ہے اور کھل جاتا ہے کہ خدا کا غضب ایک کھا جانے والی آگ ہے اور پھر تجلی حسن الٰہی ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ ہریک کامل لذت خدا میں ہے یعنی جلالی اور جمالی طور پر

تمام پردے اٹھائے جاتے ہیں۔ یہی ایک طریق ہے جس سے جذبات نفسانی رُکتے ہیں اور جس سے چارنا چار ایک تبدیلی انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس جواب کے وقت کتنے لوگ بول اٹھیں گے کیا ہم خدا پر ایمان نہیں رکھتے؟ کیا ہم خدا سے نہیں ڈرتے اور اس سے محبت نہیں رکھتے؟ اور کیا تمام دنیا بجز تھوڑے افراد کے خدا کو نہیں مانتی اور پھر وہ طرح طرح کے گناہ بھی کرتے ہیں اور انواع واقسام کے فسق و فجور میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور چیز ہے اور عرفان اور چیز ہے۔ اور ہماری تقریر کا یہ مدعا نہیں ہے کہ مومن گناہ سے بچتا ہے بلکہ یہ مدعا ہے کہ عارف کامل گناہ سے بچتا ہے یعنی وہ کہ جس نے خوف الٰہی کا مزہ بھی چکھا اور محبت الٰہی کا بھی۔ شاید کوئی کہے کہ شیطان کو معرفت کامل حاصل ہے پھر وہ کیوں نافرمان ہے۔ اس کا یہی جواب ہے کہ اس کو وہ معرفت کامل ہرگز حاصل نہیں ہے جو سعیدوں کو بخشی جاتی ہے۔ انسان کی یہ فطرت میں ہے کہ کامل درجہ کے علم سے ضرور وہ متاثر ہوتا ہے اور جب ہلاکت کی راہ اپنا ہیبت ناک منہ دکھاوے تو اس کے سامنے نہیں آتا مگر ایمان کی حقیقت صرف یہ ہے کہ حسن ظن سے مان لے۔ لیکن عرفان کی حقیقت یہ ہے کہ اس مانی ہوئی بات کو دیکھ بھی لے۔ پس عرفان اور عصیان دونوں کا ایک ہی دل میں جمع ہونا محال ہے۔ جیسا کہ دن اور رات کا ایک ہی وقت میں جمع ہو جانا محال ہے۔

تمہارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ ایک چیز کا مفید ہونا جب ثابت ہو جائے تو فی الفور اس کی طرف ایک رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور جب مضر ہونا ثابت ہو جائے تو فی الفور دل اس سے ڈرنے لگتا ہے مثلاً جس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ چیز جو میرے ہاتھ میں ہے یہ سم الفار ہے وہ اس کو طباشیر یا کوئی مفید دوا سمجھ کر ایک ہی وقت میں تولہ یا دو تولہ تک بھی کھا سکتا ہے لیکن جس کو اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ یہ تو زہر قاتل ہے وہ بقدر ایک ماشہ بھی اس کو استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے کھانے کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اسی طرح

جب انسان کو واقعی طور پر علم ہو جاتا ہے کہ بلا شبہ خدا موجود ہے اور درحقیقت تمام قسم کے گناہ اس کی نظر میں قابل سزا ہیں۔ جیسے چوری، خونریزی، بدکاری، ظلم، خیانت، شرک، جھوٹ، جھوٹی گواہی دینا، تکبر، ریاکاری، حرام خوری، دغا، دشنام دہی، دھوکہ دینا، بدعہدی، غفلت اور بدمستی میں زندگی گزارنا، خدا کا شکر نہ کرنا، خدا سے نہ ڈرنا، اس کے بندوں کی ہمدردی نہ کرنا، خدا کو پُرخوف دل کے ساتھ یاد نہ کرنا۔ عیاشی اور دنیا کی لذّات میں بکلّی محو ہو جانا اور منعم حقیقی کو فراموش کر دینا۔ دعا اور عاجزی سے کچھ غرض اور واسطہ نہ رکھنا۔ فروختنی چیزوں میں کھوٹ ملانا یا کم وزن کرنا یا نرخ بازار سے کم بیچنا، ماں باپ کی خدمت نہ کرنا۔ بیویوں سے نیک معاشرت نہ رکھنا۔ خاوند کی پورے طور پر اطاعت نہ کرنا۔ نامحرم مردوں یا عورتوں کو نظر بد سے دیکھنا۔ یتیموں، ضعیفوں، کمزوروں، درماندوں کی کچھ پرواہ نہ کرنا۔ ہمسایہ کے حقوق کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھنا اور اس کو دکھ دینا۔ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے دوسرے کی توہین کرنا۔ کسی کو دلآزار لفظوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا یا توہین کے طور پر کوئی بدنی نقص اس کا بیان کرنا یا کوئی بُرا لقب اس کا رکھنا یا کوئی بیجا تہمت اس پر لگانا یا خدا پر افترا کرنا اور نعوذ باللہ کوئی جھوٹا دعویٰ نبوت یا رسالت یا منجانب اللہ ہونے کا کر دینا یا خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر ہو جانا یا ایک عادل بادشاہ سے بغاوت کرنا اور شرارت سے ملک میں فساد برپا کرنا تو یہ تمام گناہ اس علم کے بعد کہ ہر یک ارتکاب سے سزا کا ہونا ایک ضروری امر ہے خودبخود ترک ہو جاتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

شائد پھر کوئی دھوکہ کھا کر یہ سوال پیش کر دے کہ باوجود اس کے کہ جانتے بھی ہیں کہ خدا موجود ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ گناہوں کی سزا ہوگی۔ پھر بھی ہم سے گناہ ہوتا ہے اس لئے ہم کسی اور ذریعہ کے محتاج ہیں تو ہم اس کا وہی جواب دیں گے جو پہلے دے چکے ہیں کہ ہرگز ممکن نہیں اور کسی طرح ممکن نہیں کہ تم اس بات کی پوری بصیرت حاصل کر کے کہ گناہ کرنے

کے ساتھ ہی ایک بجلی کی طرح تم پر سزا کی آگ برسے گی پھر بھی تم گناہ پر دلیر ہو سکو گے۔ یہ ایسی فلاسفی ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ جہاں جہاں سزا پانے کا پورا یقین تمہیں حاصل ہے وہاں تم ہرگز اس یقین کے برخلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ بھلا بتلاؤ کیا تم آگ میں اپنا ہاتھ ڈال سکتے ہو۔ کیا تم پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اپنے تئیں گرا سکتے ہو کیا تم کنوئیں میں گر سکتے ہو کیا تم چلتی ہوئی ریل کے آگے لیٹ سکتے ہو کیا تم شیر کے مُنہ میں اپنا ہاتھ دے سکتے ہو۔ کیا تم دیوانہ کتّے کے آگے اپنا پیر کر سکتے ہو کیا تم ایسی جگہ ٹھہر سکتے ہو جہاں بڑی خوفناک صورت سے بجلی گر رہی ہے۔ کیا تم ایسے گھر سے جلد باہر نہیں نکلتے ﴿۲۶﴾ جہاں شہتیر ٹوٹنے لگا ہے یا زلزلہ سے زمین نیچے کو دھسنے لگی ہے۔ بھلا تم میں سے کون ہے جو ایک زہریلہ سانپ کو اپنے پلنگ پر دیکھے اور جلد کود کر نیچے نہ آ جائے۔ بھلا ایک ایسے شخص کا نام تو لو کہ جب اس کے کوٹھہ کو جس کے اندر وہ سوتا تھا آگ لگ جائے تو وہ سب کچھ چھوڑ کر باہر کو نہ بھاگے تو اب بتلاؤ کہ ایسا تم کیوں کرتے ہو اور کیوں ان تمام موذی چیزوں سے علیحدہ ہو جاتے ہو مگر وہ گناہ کی باتیں جو ابھی میں نے لکھی ہیں ان سے تم علیحدہ نہیں ہوتے اس کا کیا سبب ہے۔ پس یاد رکھو کہ وہ جواب جو ایک عقلمند پوری سوچ اور عقل کے بعد دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں علم کا فرق ہے یعنی خدا کے گناہوں میں اکثر انسانوں کا علم ناقص ہے اور وہ گناہوں کو بُرا تو جانتے ہیں مگر شیر اور سانپ کی طرح نہیں سمجھتے اور پوشیدہ طور پر ان کے دلوں میں یہ خیالات ہیں کہ یہ سزائیں یقینی نہیں ہیں یہاں تک کہ خدا کے وجود میں بھی ان کو شک ہے کہ وہ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو پھر کیا خبر کہ روح کو بعد مرنے کے بقا ہے یا نہیں اور اگر بقا بھی ہے تو پھر کیا معلوم کہ ان جرائم کی کچھ سزا بھی ہے یا نہیں بلاشبہ بہتوں کے دلوں کے اندر یہی خیال چھپا ہوا موجود ہے جس پر انہیں اطلاع نہیں

لیکن وہ خوف کے تمام مقامات جن سے وہ پرہیز کرتے ہیں جن کی چند نظیریں میں لکھ چکا ہوں ان کی نسبت سب کو یقین ہے کہ ان چیزوں کے نزدیک جا کر ہم ہلاک ہو جائیں گے اس لئے ان کے نزدیک نہیں جاتے بلکہ ایسی مہلک چیزیں اگر اتفاقاً سامنے بھی آ جائیں تو چیخیں مار کر ان سے دور بھاگتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہی ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے کے وقت انسان کو علم یقینی ہے کہ ان کا استعمال موجب ہلاکت ہے۔ مگر مذہبی احکام میں علم یقینی نہیں ہے بلکہ محض ظن ہے اور اُس جگہ رویت ہے اور اِس جگہ محض کہانی ہے۔ سو مجرد کہانیوں سے گناہ ہرگز دور نہیں ہو سکتے۔ میں اس لئے تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ایک مسیح نہیں ہزار مسیح بھی مصلوب ہو جائیں تو وہ تمہیں حقیقی نجات ہرگز نہیں دے سکتے۔ کیونکہ گناہ سے یا کامل خوف چھڑاتا ہے یا کامل محبت اور مسیح کا صلیب پر مرنا اول خود جھوٹ اور پھر اس کو گناہ کا جوش بند کرنے سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ سوچ لو کہ یہ دعویٰ تاریکی میں پڑا ہوا ہے جس پر نہ تجربہ شہادت دے سکتا ہے اور نہ مسیح کی خودکشی کی حرکت کو دوسروں کے گناہ بخشے جانے سے کوئی تعلق پایا جاتا ہے۔ حقیقی نجات کی فلاسفی یہ ہے کہ اسی دنیا میں انسان گناہ کے دوزخ سے نجات پا جائے مگر تم سوچ لو کہ کیا تم ایسی کہانیوں سے گناہ کے دوزخ سے نجات پا گئے یا ﴿۲۷﴾ کبھی کسی نے ان بیہودہ قصوں سے جن میں کچھ بھی سچائی نہیں اور جن کو حقیقی نجات کے ساتھ کوئی بھی رشتہ نہیں نجات پائی ہے۔ مشرق و مغرب میں تلاش کرو۔ کبھی تمہیں ایسے لوگ نہیں ملیں گے جو ان قصوں سے اس حقیقی پاکیزگی تک پہنچ گئے ہوں جس سے خدا نظر آ جاتا ہے اور جس سے نہ صرف گناہ سے بیزاری ہوتی ہے بلکہ بہشت کی صورت پر سچائی کی لذّتیں شروع ہو جاتی ہیں اور انسان کی روح پانی کی طرح بہ کر خدا کے آستانہ پر گر جاتی ہے اور آسمان

سے ایک روشنی اترتی اور تمام نفسانی ظلمت کو دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح جبکہ تم روز روشن میں چاروں طرف کھڑکیاں کھول دو تو یہ طبعی قانون تمہیں نظر آ جائے گا کہ فی الفور سورج کی روشنی تمہارے اندر آ جائے گی لیکن اگر تم اپنی کھڑکیاں بند رکھو گے تو محض کسی قصہ یا کہانی سے وہ روشنی تمہارے اندر نہیں آ سکتی۔ تمہیں روشنی لینے کے لئے یہ ضرور کرنا پڑے گا کہ اپنے مقام سے اٹھو اور کھڑکیاں کھول دو تب خود بخود روشنی تمہارے اندر آ جائے گی اور تمہارے گھر کو روشن کر دے گی۔ کیا کوئی صرف پانی کے خیال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ اُفتاں وخیزاں پانی کے چشمہ پر پہنچے اور اس زلال پر اپنی لبیں رکھ دے تب اُس آب شیریں سے سیراب ہو جائے گا۔

سو وہ پانی جس سے تم سیراب ہو جاؤ گے اور گناہ کی سوزش اور جلن جاتی رہے گی وہ یقین ہے۔ آسمان کے نیچے گناہ سے پاک ہونے کے لئے بجز اس کے کوئی بھی حیلہ نہیں۔ کوئی صلیب نہیں جو تمہیں گناہ سے چھڑا سکے۔ کوئی خون نہیں جو تمہیں نفسانی جذبات سے روک سکے ان باتوں کو حقیقی نجات سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ حقیقتوں کو سمجھو۔ سچائیوں پر غور کرو اور جس طرح دنیا کی چیزوں کو آزماتے ہو اس کو بھی آزماؤ۔ تب تمہیں جلد سمجھ آ جائے گی کہ بغیر سچے یقین کے کوئی روشنی نہیں جو تمہیں نفسانی ظلمت سے چھڑا سکے اور بغیر کامل بصیرت کے مصفّا پانی کے تمہاری اندرونی غلاظتوں کو کوئی بھی دھو نہیں سکتا۔ اور بغیر رویت حق کی زلال کے تمہاری جلن اور سوزش کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو اور اور تدبیریں تمہیں بتلاتا ہے اور جاہل ہے وہ انسان جو اور قسم کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ تمہیں روشنی نہیں دے سکتے بلکہ اور بھی ظلمت کے گڑھے میں ڈالتے ہیں اور تمہیں آب شیریں نہیں دیتے بلکہ

وہ اور بھی جلن اور سوزش زیادہ کرتے ہیں۔کوئی خون تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا مگر وہ خون جو یقین کی غذا سے خود تمہارے اندر پیدا ہو۔اور کوئی صلیب تمہیں چھڑا نہیں سکتی مگر راہِ راست کی صلیب یعنی سچائی پر صبر کرنا۔سو تم آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کیا یہ سچ نہیں کہ تم روشنی سے ہی دیکھ سکتے ہو نہ کسی اور چیز سے اور صرف سیدھی راہ سے منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہو نہ کسی اور راہ سے۔ دنیا کی چیزیں تم سے نزدیک ہیں اور دین کی چیزیں دور۔ پس جو نزدیک ہے انہیں پر غور کرو اور ان کا قانون سمجھ لو اور پھر دور کو اس پر قیاس کرلو۔کیونکہ وہی ایک ہے جس نے یہ دونوں قانون بنائے ہیں۔تم میں سے کون ہے جو بغیر آنکھوں کے دیکھ سکتا ہے یا بغیر کانوں کے سن سکتا ہے یا بغیر زبان کے بول سکتا ہے پھر تم کیوں اسی قانون سے روحانی امور میں فائدہ نہیں اٹھاتے۔تم آنکھوں کے ہوتے ہوئے کسی ایسے مقام پر ٹھہر سکتے ہو جو اتھاہ گڑھے کے قریب ہے یا کانوں کے ہوتے ہوئے تم ایسی آواز سے متنبہ نہیں ہو سکتے جو چوروں کی آمد کی تمہیں خبر دیتی ہے یا زبان کے ہوتے ہوئے جو تمہیں کڑوی اور شیریں میں فرق دکھلاتی ہے پھر بھی کڑوی اور زہریلی چیزیں کھا سکتے ہو جو تمہاری زبان کو کاٹیں اور تمہارے معدہ میں فساد پیدا کریں اور قے لاویں اور بدن کو سوجاویں اور انجام کار ہلاک کر دیں۔سو تم انہیں اعضا سے سمجھ لو کہ تم روحانی طور پر بھی روحانی زندگی کے لئے اس بات کے محتاج ہو کہ تمہیں ایک روشنی ملے جو بُرے راہوں کی برائی تمہیں دکھائی دے اور تمہیں ایک آواز ملے جو چوروں اور ڈاکوؤں کے گذرگاہ سے تمہیں علیحدہ کرے اور تمہیں ایک ذائقہ ملے جس سے تم کڑوی اور شیریں اور زہر اور تریاق میں فرق کر سکو سو جن باتوں کو ہلاکت سے بچنے کے لئے تمہیں طلب کرنا چاہیے وہ یہی ہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تم بغیر روشنی حاصل کرنے کے محض اندھے رہ کر پھر کسی کے خون سے نجات پا جاؤ۔نجات کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اس ﴿۲۸﴾

دنیا کے بعد ملے گی، سچی اور حقیقی نجات اسی دنیا میں ملتی ہے۔ وہ ایک روشنی ہے جو دلوں پر اترتی ہے اور دکھا دیتی ہے کہ کون سے ہلاکت کے گڑھے ہیں۔ حق اور حکمت کی راہ پر چلو کہ اس سے خدا کو پاؤ گے اور اپنے دلوں میں گرمی پیدا کرو تا سچائی کی طرف حرکت کر سکو۔ بدنصیب ہے وہ دل جو ٹھنڈا پڑا ہے اور بدبخت ہے وہ طبیعت جو افسردہ ہے اور مردہ ہے وہ کانشنس جس میں چمک نہیں۔ پس تم اس ڈول سے کم نہ رہو جو کنوئیں میں خالی گرتا اور بھر کر نکلتا ہے اور اس چھانی کی صفت مت اختیار کرو جس میں کچھ بھی پانی نہیں ٹھہر سکتا اور ایک راہ سے آتا اور دوسری راہ سے چلا جاتا ہے۔ کوشش کرو کہ تندرست ہو جاؤ اور وہ دنیا طلبی کے تپ کی زہریلی گرمی دور ہو جائے جس کی وجہ سے نہ آنکھوں میں روشنی ہے نہ کان اچھی طرح سن سکتے ہیں نہ زبان کا مزہ درست ہے۔ اور نہ ہاتھوں میں زور اور نہ پیروں میں طاقت ہے۔ ﴿۲۹﴾ ایک تعلق کو قطع کرو تا دوسرا تعلق پیدا ہو۔ ایک طرف سے دل کو روکو تا دوسری طرف دل کو راہ مل جائے۔ زمین کا نجس کیڑا پھینک دو تا آسمان کا چمکیلا ہیرا تمہیں عطا ہو۔ اور اپنے مبدء کی طرف رجوع کرو وہی مبدء جبکہ آدم اس خدائی روح سے زندہ کیا گیا تھا تا تمہیں تمام چیزوں پر بادشاہت ملے جیسا کہ تمہارے باپ کو ملی۔

دن گزر گیا اب عصر کا وقت ہے چار بجنے کے قریب رات ہوا چاہتی ہے۔ سورج غروب ہونے کو ہے۔ اب اگر دیکھنا ہے دیکھ لو۔ پھر کیا دیکھو گے۔ قبل اس کے کہ کوچ کرو۔ اپنے کھانے کے لئے عمدہ چیزیں آگے بھیجو نہ پتھر اور اینٹ۔ اور پہننے کے لئے لباس روانہ کرو نہ کانٹے اور خس و خاشاک۔ وہ خدا جو بچے کے پیدا ہونے سے پہلے پستان میں دودھ ڈالتا ہے اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی زمانہ میں تمہارے ہی ملکوں میں...... ایک بھیجا ہے تا ماں کی طرح اپنی چھاتیوں سے تمہیں دودھ پلاوے۔ وہی تمہیں یقین کا دودھ پلائے گا

جوسورج سے زیادہ سفید اور تمام شرابوں سے زیادہ سرور بخشتا ہے۔ پس اگر تم جیتے پیدا ہوئے ہو مردہ نہیں ہو تو آؤ اس پستان کی طرف دوڑو۔ کہ تم اس سے تازہ دودھ پیو گے۔ اور وہ دودھ اپنے برتنوں سے پھینک دو کہ جو تازہ نہیں اور گندی ہواؤں نے اس کو متعفن کر دیا ہے اور اس میں کیڑے چل رہے ہیں جن کو تم دیکھ نہیں سکتے۔ وہ تمہیں روشن نہیں کر سکتا بلکہ اندر داخل ہوتے ہی طبیعت کو بگاڑ دے گا کیونکہ اب وہ دودھ نہیں ہے بلکہ ایک زہر ہے۔ ہر ایک سفیدی کو بنظر تعریف نہ دیکھو کیونکہ بعض سپید سے بعض سیاہ ہی اچھے ہیں۔ جیسا کہ بال سیاہ جوانی کی طاقت پر دلالت کرتا ہے اور بال سفید ضعف اور کمزوری اور پیرانہ سالی پر اسی طرح ریا کاری کی سپیدی اور نیکی کی نمائش کسی کام کی نہیں ہے اس سے گنہ گار سادہ وضع اچھا ہے کہ جو فریب سے اپنے گناہ کو نہیں چھپاتا۔ سو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کی مغفرت سے زیادہ قریب ہے۔ ان چیزوں پر بھروسہ مت کرو جو یقینی نہیں جن کے ساتھ کوئی حقیقی روشنی نہیں جن کے نیچے کوئی پاک فلسفہ نہیں کہ وہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔ تم اپنے دلوں کی خواہشوں کا اندازہ کرو کہ وہ کیا چیز چاہتے ہیں اور کس طور سے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرح ہم بدی سے الگ ہو سکتے ہیں۔

کس علاج پر ان کا کانشنس بولتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کافی ہوگا۔ کیا کوئی دل اس بات کو قبول کرتا ہے کہ مسیح کا خون اس کو گناہ کرنے سے خوف دلائے بلکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ اور بھی ﴿۳۰﴾ دلیر کرتا ہے۔ کیونکہ مسیح کے خون پر بھروسہ کرنے والا جانتا ہے کہ اس کے گناہ کا فدیہ ادا ہو چکا ہے لیکن گناہ کے زہر کا علم جس کو دیا جائے گا وہ کسی طرح گناہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے۔ سو خدا کی طرف سے ایک بھیجا گیا ہے جو ایسے علم تک تمہیں پہنچانا چاہتا ہے جس سے تمہارے دل خدا کو دیکھ لیں اور بدی کے زہر کو دیکھ لیں تب خود بخود تم گناہ

سے بھاگو گے جیسا کہ ایک انسان شیر سے بھاگتا ہے پس اس رسالہ کا ضروری فرض یہی ہوگا کہ اس کی تعلیم اور اس کے نشانوں کو دنیا میں پھیلاوے تا جو لوگ صلیب اور مسیح کے خون میں نجات ڈھونڈتے ہیں وہ حقیقی نجات کے چشمہ کو دیکھ لیں۔ حقیقی نجات ان پانیوں میں نہیں ہے جن میں ایک حصہ پانی اور بیس حصہ کیچڑ اور غلاظت۔ دلوں کو دھونے والا پانی آسمان سے اپنے وقت پر اترتا ہے۔ جو نہر اس سے لبالب چلتی ہے وہ کیچڑ اور میلے پانی سے بہت دور ہوتی ہے اور لوگ صاف اور عمدہ پانی اس کا استعمال کرتے ہیں لیکن وہ نہر جو خشک ہے اور کچھ تھوڑا پانی اس میں کھڑا ہے اور وہ بھی متعفن اس میں وہ لطافت اور صفائی نہیں رہ سکتی اور بہت سا کیچڑ اس سے مل جاتا ہے۔ اور کئی حیوان اس میں بول و براز کرتے ہیں اسی طرح جس دل کو خدا کا علم دیا گیا ہے اور یقین بخشا گیا ہے وہ اس لبالب نہر کی مانند ہے جو تمام کھیتوں کو سیراب کرتی جاتی ہے اور اس کا صاف اور ٹھنڈا پانی دلوں کو تسکین بخشا اور کلیجوں کی جلن کو دور کرتا ہے اور وہ نہ صرف آپ پاک ہے بلکہ پاک بھی کرتا ہے کیونکہ وہ حکمت اور دانش بخشا ہے کہ جو دلوں کا زنگ دور کرتی ہے گناہ سے نفرت دلاتی ہے مگر وہ جو تھوڑے پانی کی مانند ہے جس میں کیچڑ ملا ہوا ہے وہ مخلوق کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ اپنے تئیں صاف کر سکتا ہے۔ سو اب وقت ہے اٹھو اور یقین کا پانی تلاش کرو کہ وہ تمہیں ملے گا اور کثرت یقین سے ایک دریا کی طرح بہہ نکلو۔ ہر ایک شک وشبہ کی نجاست سے پاک ہو کر گناہ سے دور ہو جاؤ۔ یہی پانی ہے جو گناہ کے نقوش کو دھوئے گا اور تمہارے لوح سینہ کو صاف کر کے ربّانی نقوش کے لئے مستعد کر دے گا۔ تم نفسانی حروف کو اس لوحِ خاطر سے کسی طرح مٹا نہیں سکتے جب تک کہ یقین کے صاف پانی سے اس کو دھو نہ ڈالو۔ قصد کرو تا تمہیں توفیق دی جائے اور ڈھونڈو تا تمہارے لئے میسر کیا جائے اور دلوں کو نرم کرو تا ان باتوں کو سمجھ سکو۔

کیونکہ ممکن نہیں کہ سخت دل حقیقتوں کو سمجھ سکے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم بغیر اس راہ کے کہ خدا کی عظمت تمہارے دل میں قائم ہو اور اس زندہ خدا کا جلال تم پر کھلے اور اس کا اقتدار تم پر ظاہر ہو اور دل یقین کی روشنی سے بھر جائے کسی اور طریق سے تم گناہ سے سچی نفرت کرسکو۔ ہرگز نہیں ایک ہی راہ ہے اور ایک ہی خدا اور ایک ہی قانون۔

(ماخوذ از ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول نمبر ا صفحہ ۹ تا ۳۰ مطبوعہ جنوری ۱۹۰۲ء)